صلاح الدین حیدر کی حکایات میں سماجی و طبقاتی شعور

محمد ضیاء المصطفیٰ

پی۔ ایچ۔ ڈی سکالر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

ڈاکٹر فرزانہ کوکب

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

Abstract

Salahuddin Haider is a progressive prose writer in Urdu literature. Besides other genres of literature, he has also shown his mastery in writing Fables. His collection of Fables entitled "Darindgi ky Ehd men Pagal moor" was published in 1999. He describes various segments of the society in allegorical portrayal of animals and birds. His short accounts are an expression of social injustice, inequality and communal conflicts. As a keen observer of the society, he discusses good as well as bad elements that are pivotal in formation of a societal make up. He also brings forth the factors which are the sole reason of exploitaion of the weak by those who are in power. Through his powerful satire, he discourages the negative aspects and appreciates what is constructive in society.

Key Words: Fable, Society, Exploitation, Communal Conflicts , Allegory, Satire

تخلیق ادب کے عمل کو اعتبار بخشنے والے عناصر میں ایک اساسی امر یہ بھی ہے کہ وہ ادبی تخلیق زمین کے ساتھ کتنی مضبوط جڑت رکھتی ہے۔ ادیب کی تخلیقی انفرادیت تاریخ (ماضی) اور عصریت (حال) کے آئینے میں سماج کے ارتقاء کے مشاہدے اور اظہار سے پیدا ہوتی ہے۔ ادب کے ذریعے ہم اس زمانے کی تہذیب و تمدن، معیشت، مذہب اور سیاست سمیت سماج کے دیگر عناصر سے روشناس ہوتے ہیں۔ ادبی اظہار میں خیر کا پہلو یہ ہے کہ ماضی اور حال کے تطابق سے تشکیل کردہ ایک نئی صورت حال سامنے لاتا ہے مگر ماضی کے المیوں اور محرومیوں کے سیدھے اور سپاٹ ذکر کے ساتھ عبرت اور سبق آموزی کے عناصر کو بھی شامل کر دیتا ہے تاکہ مستقبل میں ایسے سانحات سے محفوظ رہا جا سکے، اِسی طرح ادب تاریخ کی سعادتوں اور سرخروئیوں کو ویسے کا ویسا پیش کر دینے کے بجائے، اس میں حیرت، جوش اور فرحت کے عناصر کو شامل کر کے مستقبل کے روشن امکانات کی نوید سناتا ہے۔

> "ادب ہی ہمیں بتاتا ہے کہ پرانے وقتوں، پرانے شہروں اور آج کی دنیا کی معاشرت میں ایک غیر محسوس تسلسل پایا جاتا ہے۔ جو گزر چکا وہ ماضی ہے، تاریخ ہے۔ ادب مختلف ادوار میں ماضی سے حال تک کا سفر ہے جس میں گزرے ہوئے زمانے کی مثبت و منفی عادات و اطوار منعکس ہوتے ہیں۔"(۱)

یہ طے ہے کہ ادب سماج سے کسی صورت لاتعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک فطری رشتہ ہے۔ ادب خلا میں تخلیق نہیں ہوتا بلکہ سماج کی کوکھ سے جنم لیتا ہے اور اپنے دائرے میں اِس سماج کے کئی پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ معاشرتی رویوں کے اظہار کے حوالے سے ادب کی اتنی کثیر اور متنوع جہتیں ہیں کہ ایک مختصر سا فن پارہ ایک معاشرے کے لاتعداد المیوں کا عکس ہو سکتا ہے۔ ایمی دی گارماں کا کہنا ہے کہ فن کار

اپنی ذات کے بارے میں لکھتے ہوئے بھی اپنے زمانے کے بارے میں لکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ ناقدین ادب ہر زمانے میں مختلف ادبی تخلیقوں میں عمرانی، سیاسی، مذہبی اور جمالیاتی عناصر کی نشاندھی کرتے چلے آئے ہیں۔

گو اردو زبان و ادب میں حکایت کی روایت خاصی قدیم ہے مگر یہ صنف دیگر اصناف کے مقابلے میں مقبولیت کا وہ گراف حاصل نہیں کر سکی جو اس کا استحقاق تھا۔ حکایت نگاری نے بھی دیگر اضافِ اردو کی طرح اپنی روایت کا آغاز دھندلی تصویروں سے کیا۔ رفتہ رفتہ مختلف تخلیق کاروں کے ہاتھوں اس کے نقش نین واضح ہوتے چلے گئے۔ یہ ادبی صنف جبر و تشدد کے دور میں بالخصوص، اظہار کے کئی امکانات کی گنجائش رکھتی ہے لیکن تاحال اِسے زمانہ قدیم کے ساتھ خاص سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا جارہا ہے۔

"فیبل (حکایت) کا مصدر لاطینی لفظ فیبولا (Fabula) ہے جس کے لغوی معنی "کہنا" کے ہیں۔ فیبلز ان مختصر کہانیوں کو کہتے ہیں جن میں نباتات، جمادات، جانوروں اور پرندوں کی مدد سے کہانی بیان کی جاتی ہے۔ انھی کرداروں کے ذریعے کہانی آگے بڑھتی ہے۔ یہ غیر انسانی کردار بنیادی طور پر انسانی صفات اور فطرت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ کہانی کا اختتام کسی اخلاقی سبق پر ہوتا ہے۔

> "فیبل میں بالعموم پرندوں اور جانوروں کے وسیلے سے کوئی داستان بیان کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی ان کہانیوں میں فرضی انسانی کردار بھی کام کرتے ہیں اور بعض اوقات غیر ذی روح کو ذی روح بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی کہانیوں کو اردو میں حیوانی کہانیاں بھی کہا جاتا ہے۔"(۲)

گیان چند جین کے مطابق:

> "فیبل کے کردار حیوان یا بعض اوقات غیر ذی روح ہوتے ہیں جو انسان کی طرح بولتے چالتے ہیں۔ اس مختصر کہانی کے انجام میں کوئی اخلاقی سبق پوشیدہ ہوتا ہے۔"(۳)

بدھ مت مذہب کی ترویج و اشاعت میں فیبلز کو ذریعہ اظہار بنایا گیا۔ گوتم بدھ کی جاتک کہانیاں حکایات کے دائرے میں آتی ہیں۔ ان کی کتابی شکل "کلیلہ و دمنہ" ہے۔ بچوں کی کہانیاں ایک شیر اور دو بیل، اونٹ اور گیدڑ، خرگوش اور کچھوا وغیرہ بھی حکایتی کہانیاں ہیں۔ یونانی فن کار ایسوپ (Aesop) نے بھی حکایات سے شہرت پائی۔ مذہب اسلام میں وعظ و نصیحت کے لیے صوفیائے کرام نے بھی اِسی صنف کو اپنایا، مثنوی مولانا روم اور گلستان و بوستان میں کئی حکایتیں مرقوم ہیں۔

اردو میں ملا وجہی کی "سب رس" کو پہلی تمثیل قرار دیا جاتا ہے۔ بعد ازاں رجب علی بیگ کی "گلزارِ سرور" بھی اِسے زمرے میں آتی ہے، انیسویں صدی کے آخر میں مولانا محمد حسین آزاد نے تمثیل نگاری کی روایت کو باقاعدہ طور پر آگے بڑھایا۔ میر تقی میر کی مثنوی "اژدرنامہ" بھی ایک شعری تمثیل ہے۔ بعض محققین کے خیال میں مرزا غالب کے خطوط بھی عمدہ تمثیلی رنگ سے بھرپور ہیں جو انھوں نے علاؤالدین خان کے نام لکھے۔ مولانا راشد الخیری کے ناول "منازل السائرہ" کرشن چندر کا فن پارہ "ایک گدھے کی سرگزشت، بانو قدسیہ کے ناول "راجہ گدھ" اور علامہ اقبال کی شاعری میں تمثیلی عناصر پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صلاح الدین حیدر نے اپنے تخلیقی ہنر سے اردو نثر کا دامن وسیع کیا ہے۔ انھوں نے انشائیہ، خاکہ، ناول، تنقید، سفر نامہ اور حکایت نگاری میں اپنی تخلیقی طبع کے جوہر دِکھائے ہیں۔ ان کی حکایات کا مجموعہ "درندگی کے عہد میں پاگل مور" ۱۹۹۹ء میں منظرِ عام پر آیا

جس میں کل ۱۹ حکایات ہیں جبکہ ان کی کتاب "ابوالہول" میں "درندگی کے عہد میں پاگل مور" کی حکایات کے علاوہ ۴ نئی حکایات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

صلاح الدین حیدر کی حکایات میں سماج کی طبقاتی کشمکش اور دائمی ناآسودگی کو موضوع بنایا گیا ہے۔ دنیا کے تمام معاشرے مختلف طبقات میں بٹے ہوئے ہیں مگر ان کے تشکیلی عناصر میں فرق ہے، مزاحمت کا طریقۂ کار مختلف ہے۔ حتیٰ کہ اچھائی اور برائی کے پیمانے بھی یکساں نہیں۔ صلاح الدین حیدر سماج کے دو طبقات کو جنگلی جانوروں اور پرندوں کے تمثیلی کرداروں کی مدد سے اپنے حلقۂ اظہار میں لائے۔ وہ استحصالی طبقوں کی ترجمانی کے لیے شیر ببر، شکرا، لقا کبوتر، بھیڑیا، گینڈا، کنکھجورا جیسے تمثیلی کردار وضع کرتے ہیں جبکہ مقہور اور مجبور طبقے کے لیے مور، چڑیا، خرگوش، ہُدہُد، میمنا، بلونگڑا، بریلر اور بھیڈو کو علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

صلاح الدین حیدر معاشرے میں پھیلے تضادات اور دوغلے پن کو اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہیں مگر وہ معاشرتی ناسوروں کے ایک، مشاق طبیب کی طرح یہ بھی جانتے ہیں کہ ہر دوہرے معیار، چاپلوسی اور خوشامد کی بنیاد منافقت کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا بلکہ ایسی بہت سی بے اعتدالیوں کی بنیاد "خوف" بھی ہے ان کی حکایت "شکراجی بھگت اور خونی کبوتر۔" میں شکراجی حکمران کے ظالمانہ کردار کو بیان کیا گیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ تاثر بھی دیا گیا ہے کہ اس کے لیے کمزور اور مظلوم پرندوں کے خیر سگالی اور دعائیہ جذبات کی بنیاد منافقت نہیں بلکہ خوف ہے۔ اِس رویئے میں ہمارے سماج کا واضح عکس جھلکتا ہے، دیکھیے!

> "سنا ہے ایک جنگل کے کسی گھنے درخت پر ایک شکراجی حکمران تھے۔ ان کی عقابی نظروں اور فولادی پنجوں کی دہشت اس قدر تھی کہ پرندے اپنے گھونسلوں میں ہی ان کی لمبی عمر کی دعائیں مانگتے ہوئے مر جایا کرتے تھے اور کبھی اف بھی نہ کرتے تھے۔"(۴)

کوئی بھی سامراج اور استحصالی طبقہ جتنا بھی طاقت ور اور بااختیار ہوتا چلا جاتا ہے، اتنا ہی اس کے دل میں عدم تحفظ اور مستقبل میں حکمرانی کی بے یقینی کا خوف جنم لینے لگتا ہے۔ اس کے لیے وہ رعایا پر مزید بندشیں اور پابندیاں عائد کرتا ہے۔ صلاح الدین حیدر ان تمام جکڑ بندیوں کی مذمت کرتے ہوئے ریاستی آمرانہ ہتھکنڈوں کا پردہ چاک کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ کون سے عناصر ہیں جن کو ذریعہ بنا کر آمر طبقہ اپنی آمریت کو دوام بخشنا چاہتا ہے، وہ تعلیمی کمیشن کی طرف سے نصاب سازی کے عمل کو بھی اِسی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ریاست کی سرپرستی میں مرتب ہونے والا نصابی قاعدہ آزادی اظہار کے بجائے خوئے غلامی پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے، لکھتے ہیں:۔

> "سب پرندوں کے لیے لازمی قرار دیا جائے کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ وہ کون ہیں تو یک زبان ہو کر کہہ اٹھیں کہ ہم سب میاں مٹھو ہیں، مزید یہ کہ ہم سب کی زندگیوں کے محافظ اور نگران شکراجی بھگت ہیں اور اگر وہ ہمارے درخت پر تشریف نہ لاتے تو ہماری عزتوں اور غیرتوں کو رکھوالی کرنے والا کوئی نہ ہوتا۔"(۵)

حکایت نگاری میں خامہ فرسائی کرنے والے ادبا آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ صلاح الدین حیدر نے اس صنف کا انتخاب کرکے اردو زبان وادب میں حکایت کی روایت کو آگے بڑھایا اور ان حکایات میں سماجی جبر و تشدد، جمہور کے نام پر غیر جمہوری رویوں اور سیاست میں

ملفوف آمریت کے بد نما چہروں سے پردہ سرکایا ہے۔ انھوں نے اپنی ان تحریروں میں جانوروں اور پرندوں کے کردار کی اوٹ میں ہمارے پورے سماجی نظام کو آشکار کیا ہے، جاوید اختر بھٹی کہتے ہیں:۔

> "ان کی حکایات، ہمارے ملک کی سیاسی اور سماجی معاشرت کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان کے کردار جانور ہیں۔ جانور کا نام لیتے ہی آپ کے ذہن میں اس کا جبر، ظلم، وحشت اور مظلومیت آجاتی ہے۔ صلاح الدین حیدر کی مہارت یہ ہے کہ وہ ان جانوروں کے حوالے سے اپنے معاشرے کی تصویریں بناتے ہیں۔"(٦)

انسانی فطرت آزادی کی خواستگار ہے، اس کے بعد اسے فقط اس امر پر قناعت نہیں، بلکہ انسان طاقت، حشمت اور اختیار کا طلب گار ہے۔ انسان اختیار حاصل کر لینے کے بعد ہمیشہ توسیع پسندانہ عزائم کے زیر اثر رہنے لگتا ہے۔ یہی خواہش استحصال، ناانصافی اور عدم مساوات کی قباحتوں کو جنم دیتی ہے اور یہی عدم مساوات معاشروں کو طبقات میں تقسیم در تقسیم کرتی چلی جاتی ہے۔ صلاح الدین حیدر انسان کے اس غیر انسانی رویئے کو درندگی کا نام دیتے ہیں۔ اپنی حکایت "درندگی کے عہد میں پاگل مور" میں وہ اس بربریت اور درندگی کا استعارہ شیر ببر کو قرار دیتے ہیں چونکہ استحصالی طبقے اور درندہ صفت طاقتوں سے انھیں نفرت ہے وہ انھیں کبھی بھی قبول کرنے کے سزاوار نہیں اِسی لیے انھوں نے شہنشاہ شیر ببر کے لیے دُم کٹا اور بھینگا کے نفرین الفاظ استعمال کر کے اپنا احتجاج ریکارڈ کرایا۔

> "ایک بار جنگل کے بھینگے اور دُم کٹے شہنشاہ شیر ببر کے حکم سے سارے جنگل میں ہفتہ درندگی منانے کا اعلان کر دیا گیا لیکن پھر اس ایک ہفتے کو آنے والے سب زمانوں کے لیے پھیلا دیا گیا۔ جنگ میں بھلا کس کی ہمت تھی کہ شیر ببر سے پوچھتا کہ تمہارا درندگی کا ہفتہ کب ختم ہو گا؟۔"(٧)

کوئی بھی تخلیق اپنے عمرانی تناظر اور عصری پس منظر کو نظر انداز نہیں کر سکتی، ادب سماج سے جنم لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر معیاری فن پارہ اپنے معاشرتی منظر نامے کا عکس لیے ہوئے ہوتا ہے۔ یہ ادیب ہی ہے جو معاشرت کے تمام اجزائے ترکیبی مثلاً سیاست، معیشت، ثقافت، مذہب وغیرہ کے مطالعے سے اس سماج کا مجموعی خاکہ مرتب کرتا ہے اور اپنی فکر کے تار و پود سے مستقبل کی خوش امکانیوں کی پیش گوئی کرتا ہے۔

صلاح الدین حیدر کی حکایات میں ان کا عہد بولتا ہے۔ یہ حکایات ان کے عہد کے سیاسی عدم استحکام، جبر و آمریت اور انسان دشمن طبقاتی تقسیم کی عکاس ہیں۔ انھوں نے جس سیاسی پس منظر میں حکایت کو وسیلہ اظہار بنایا وہ سخت ذہنی انتشار، داخلی ہیجان اور خارجی بد نظمی کا عہد تھا۔ جس میں ہر آنے والا دن شخصی آزادی کے ساتھ ساتھ اظہار کی آزادی کو بھی سلب کر رہا تھا۔ ریاست کے تمام ادارے آمریت کے استحکام اور اقتدار کے دوام کے لیے پالیسیاں مرتب کر رہے تھے۔ مذہب، عدلیہ، عسکری ادارے، سیاست کے سب ریاستی ستون اپنی حیثیت کھو کر فردِ واحد کے ہاتھوں یرغمال بنا لیے گئے تھے۔ طبقاتی کشمکش اور سماجی افراتفری کے اس دور میں صلاح الدین حیدر نے صدائے بغاوت بلند رکھی اور اس امر کے لیے انھوں نے علامتی اور تمثیلی انداز اختیار کیا۔ جس سے ان کی حکایت تشکیل پائی، ڈاکٹر علی اطہر کہتے ہیں:

> "مذہب، جمہوریت، سیاست اور بہبود کے نام پر پورا معاشرہ گروی تھا۔ یقیناً یہ سب کچھ اس دور کی مطلق العنانی کی بدولت تھا جس نے اپنے سُکھ سنگھاسن کو دائم رکھنے کے لیے مذہب کی آڑ میں اس سیاسی، عدالتی اور

> سماجی نظام کی داغ بیل ڈالی تھی، جس سے صلاح الدین حیدر باغی تھا اور یہی اس کی فیبلز کا بنیادی حوالہ بھی ہے۔"(۸)

صلاح الدین حیدر ایک ایسے معاشرے کے باسی ہیں جس میں سماج کی سب طاقتیں اِس امر پر مُصر ہیں کہ تمام تخلیقی ذہن دائمی طور پر جامد رہیں، سوچنے اور سمجھنے کا عمل مستقلاً تعطل کا شکار رہے تاکہ اس مطلق العنان اور استحصالی طبقے کو غیر متوقع صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑے اس کے ساتھ ساتھ طاقت کا انتقال وراثت در وراثت چلتا رہے اور اقتدار کے کسی دوسرے ابھرتے منبع ومصدر کا آن کی آن میں قلع قمع کیا جائے۔ ہمارے سماج کے لیے یہ ایک عمومی رویہ ہے، ملک کے مقتدر طبقے اپنی حکمرانی کے دوام کے لیے مظلوم طبقے کو لڑنے مَرنے کے لیے میدان میں جھونک دیتے ہیں اور وہ بھی بڑی آسانی کے ساتھ حکمران حلقوں کے مفادات کی خاطر استعمال ہو جاتے ہیں۔ صلاح الدین حیدر کے خیال میں پِسے ہوئے طبقے کی یادداشت اس حد تک کمزور ہوتی ہے کہ وہ بہت جلد اپنے اوپر ڈھائے گئے مظالم اور روا رکھے گئے جابرانہ سلوک کو بھول کر، آمرانہ بیانیوں کے زیر اثر آ جاتے ہیں اور اپنے خلاف ہی ان کا آلہِ کار بن جاتے ہیں۔ وہ اپنی حکایت "البلو نگڑا جی دار" میں اِس طبقاتی اور سماجی المیے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سفاک، مطلق العنان اور خود غرض مگر اقتدار سے محرومی کے ڈر سے خوف زدہ طبقے کو انھوں نے "گینڈوں" کے کردار میں پیش کیا ہے:

> "گینڈوں نے برملا خبردار کیا کہ چیتے کے عزائم کامیاب ہونے کی صورت میں جنگل میں کسی کمزور جانور کی آبرو محفوظ نہ رہے گی۔ بھینسوں اور بھیڑوں کو جو شرافت اور تحفظ کی فضا میسر ہے، درہم برہم ہو جائے گی۔ اس قسم کی تقریریں سن سن کر خرگوشوں، بلونگڑوں، گیڈروں کے علاوہ مرغے بھی جذباتی ہو گئے۔"(۹)

صلاح الدین حیدر کی بنیادی شناخت انشائیہ نگار کی ہے اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے دیگر اصناف کو بھی وسیلہ اظہار بنایا ہے۔ وہ اپنی ہر تخلیقی جہت میں ایک ماہر سماجیات کے طور پر سامنے آئے ہیں وہ زیست کرنے کے حقیقی اور عملی پہلوؤں کے پرچارک اور داعی ہیں اور ان عوامل کی حوصلہ شکنی کرتے ہیں جو زندگی کے عملی پہلوؤں پر جذباتی فلسفوں کے تقدم کا باعث بنتے ہیں۔ وہ معاشرے میں انصاف، مساوات، انسانی آزادی اور عوامی بہبود کے متمنی ہیں اور ایسے نام نہاد، بے بنیاد اور خرد دشمن نظریوں کی بیخ کنی کرتے ہیں جو کسی بھی سطح پر شخصی آزادی اور احترام آدمیت کو مجروح کرتے دِکھائی دیتے ہیں۔ ان کی حکایات میں معاشرے کے غیر متوازن اور جبر واستبداد پر مبنی رویوں پر گہرا طنز کیا گیا ہے اور ان عوامل سے جنم لیتی انسان کُش فکر کے خلاف بغاوت کی آواز بلند کی گئی ہے۔

> "معاشرے میں حسنِ ترتیب کے لیے جو معصومانہ خواب دیکھتا ہے اور اس کی جو دردناک قیمت وہ ادا کر رہا ہے اس کے لیے اُس نے ایک بہت بڑا سوانحی استعارہ اور افسانہ تخلیق کیا ہے "درندگی کے عہد میں پاگل مور"۔ پاکستان میں طاقت اور اختیار کے گھمنڈ میں مبتلا لوگوں اور اخروی دنیا کے بھی ٹھیکیداروں نے صلاح الدین کے ساتھ جو جسمانی اور ذہنی تشدد روا رکھا، اس کے باوجود صلاح الدین نے ایک عرصے تک اپنے آپ کو جس طرح رقصاں رکھا وہ کسی پاگل مور کا رقص ہی تھا۔"(۱۰)

پسماندہ ریاستوں کے انتظامی امور بھی نہایت بوسیدہ اور پسماندہ ہوتے ہیں قوانین و دستور سازی کی مرتب کردہ ضخیم کتابیں اور قاعدے تو موجود ہوتے ہیں مگر اس کی عملداری اور نفاذ ہر طبقے کے لیے یکساں اور مساوی نہیں ہوتا بلکہ بالا دست طبقہ ان آئینی تشریحات کو اپنی مَن مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ صلاح الدین حیدر، اِس معاشرے میں ایسی لا قانونیت پر مبنی آئین سازی کا بھی پردہ چاک کرتے ہیں جس کی روشنی میں مقتدر طبقے کو ہر جائز و ناجائز عمل میں کھُلی چھٹی ہوتی ہے اور وہی فعل اگر کسی چھوٹے طبقے کے فرد سے سرزد ہو جائے تو اِس کی گردن مارنے میں تاخیر کو توہین عدالت کے نام سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ جنگل کی زندگی کو وطنِ عزیز کے سماجی و معاشرتی نظام کا استعارہ بناتے ہوئے، صلاح الدین حیدر کمزور جانوروں کا بے دردی سے شکار کرنے والے شاہین کا ہُدہُد سے تقابل پیش کرتے ہیں جہاں شاہین کو تو خون ریزی کی مکمل آزادی ہے مگر ہُدہُد کی چونچ کا فقط لمبا ہونا ہی اس کے لیے ناقابلِ معافی جرم قرار پاتا ہے:

> "شاہین نے تھوڑی دیر میں ہُدہُد کی چونچ اور پروں کو لہو سے تربتر کر دیا، ہُدہُد نے چیخنے اور پھڑ پھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کے علاوہ اور کچھ نہ ہوا کہ اس کا گوشت مزید تیزی سے نوچا گیا۔ اِسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے طوطوں نے تبصرہ کیا کہ نصابی سبق نہ رٹنے والے پرندے ہُدہُد کا یہی انجام ہونا چاہیے۔"(۱۱)

معاشرہ اپنے عناصرِ ترکیبی سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ عناصر اپنے معیار میں ہمیشہ تغیر پذیر رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عہد کے تخلیق کار کی تخلیق میں سماج کے مختلف روپ سامنے آتے ہیں۔ گو کہ ہر فن کار اپنی الگ تنقیدی بصیرت رکھتا ہے مگر ہر عہد بھی اپنی منفرد اور جدا تہذیبی و سماجی شناخت کا حامل ہوتا ہے۔ صلاح الدین حیدر کا عہد ریاست کے تسلسل میں وہ اہم موڑ ہے جس نے ہر شعبۂ فکر اور ہر طائفہِ حیات کو متاثر کیا ہے۔ یہی عہد وطنِ عزیز کی فکری تعبیر میں ایک مبہم تفہیم کی پیداوار ہے جس میں تمام اداروں کو آمریت کے استحکام پر یکجا کر کے انھیں ان کی بنیادی اور تفویضی۔۔ ذمہ داریوں سے الگ تھلگ کر دیا گیا تھا، یہ المیہ صلاح الدین حیدر کی تحریروں میں نمایاں ہے وہ اپنی حکایت "ڈربہ چینل پر علامہ مرغ پُر اسرار کا خطاب" میں واضح کرتے ہیں کہ دورِ ابتذال میں معاشرے میں خیر خواہی اور ہمدردی کے علمبردار وعظ و مبلغ بھی بالا دست طبقے کے نام نہاد نصابی قاعدے پڑھانا شروع کر دیتے ہیں اور ظلم و جبر پر نہ صرف خاموشی اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں بلکہ اِس جبر و استبداد کو مظلوم کے حق میں بہتر بنا کر پیش کرتے ہیں، مرغ پُر اسرار کا برئیلروں سے خطاب ملاحظہ کریں:۔

> "اے برئیلر! جب تمہاری کلغی قانون ڈربہ کا اثبات کرتی ہے تو تم پُر اسرار ہاتھ کے نائب بن جاتے ہو اور فنا پر غالب آجاتے ہو، مقام مذبح سے گزرنے، جھپٹنے، پلٹنے اور پلٹ کر ٹھنڈا ہونے میں کچھ وقت لگتا ہے، لیکن روح برئیلر زماں مکاں کی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے۔"(۱۲)

صلاح الدین حیدر اپنی تحریروں میں سماج کے ان بوسیدہ اور نام نہاد پیمانوں کو توڑتے نظر آتے ہیں جو اخلاقیات کے نام پر جمہور پہ مسلط کیے گئے جن کے سبب عوام الناس پر ہر آنے والے دِن کے ساتھ شدت بڑھتی چلی گئی مستزاد یہ کہ اس کربناک عمل پر زبانیں گنگ رکھنے کی تبلیغ کی گئی، بندش اور جکڑبندیوں کے اس عہد میں صلاح الدین نے اپنی ان تحریروں کو سماجی جبر کے متوازی صدائے بغاوت کے طور پر برتا۔ انھوں نے نہ صرف بالا دست طبقے کی سفاکیوں کا پردہ چاک کیا بلکہ عام لوگوں کے لیے بھی اپنے استحقاق کو پہچان کر سماجی شعور کی تفہیم کو ممکن بنایا۔ شاہین مفتی کہتے ہیں:

> "صلاح الدین کے اسلوب کی شگفتگی، نکتہ آفرینی، عصری شعور، آزردہ دِلی اور سماج سدھار کے معاملات میں قلم خاموش ہے کیونکہ ان کی تحریری امثال آپ اپنا جہان پیدا کر لیں گی۔"(۱۳)

صلاح الدین حیدر کی حکایات روحِ عصر کی ترجمان ہیں جن میں خیر و شر سماجی، تخلیقی اور معیاری تنقیدی شعور کے ساتھ جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ صلاح الدین حیدر نے معاصر مقتدر طبقے کے فکری قحط اور ذہنی زبوں حالی پر گہری چوٹ کی ہے۔ وہ نام نہاد اخلاقی بیانیوں اور سیاسی نظریوں سے مرکب اس غیر معتدل سماج کو تمثیلی اور علامتی انداز میں تختہ مشق بناتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خالد اقبال یاسر، ڈاکٹر، ادب اور زمانہ، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۱۴، ص ۹

۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، داستان اور داستانیں، مشمولہ: اُردو نثر کا فنی ارتقاء، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۵

۳۔ گیان چند، ڈاکٹر، اُردو میں تمثیل نگاری، مشمولہ: اُردو نثر کا فنی ارتقاء، مرتبہ: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۷، ص ۱۹۴

۴۔ صلاح الدین حیدر، ڈاکٹر، درندگی کے عہد میں پاگل مور، ملتان: میسون پبلی کیشنز، ۱۹۹۹، ص ۷

۵۔ ایضاً، ص ۱۱

۶۔ جاوید اختر بھٹی، درندگی کے عہد میں پاگل مور، حکایات کی نئی دُنیا، مشمولہ: اطراف، ملتان: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اینڈ ریسرچ ۲۰۰۹، ص ۱۲۶

۷۔ درندگی کے عہد میں پاگل مور، ص ۲۴

۸۔ علی اطہر، ڈاکٹر، صلاح الدین حیدر کی فیبلز میں عصری شعور، مشمولہ: کاغذی ہے پیرہن، لاہور، ۲۰۰۱، ص ۱۴

۹۔ درندگی کے عہد میں پاگل مور، ص ۴۰

۱۰۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اُردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰، ص ۶۲۴

۱۱۔ درندگی کے عہد میں پاگل مور، ص ۴۷

۱۲۔ صلاح الدین حیدر، ڈاکٹر، ابولہول، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۲، ص ۲۸۸

۱۳۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، ایک پرانی کہانی کا نیا باب، مشمولہ: سہ ماہی فنون، لاہور: شمارہ ۱۲۴، ۲۰۰۵، ص ۹۷